برِّصغیر کے دو تعلیمی معمار علاّمہ اقبالؔ اور خواجہ غلام السیّدین کی فکری مماثلت

علاّمہ کے خطوط کی روشنی میں

ڈاکٹر تقی عابدی

یوں تو علاّمہ اقبالؔ کے کچھ کچھ خطوط مختلف افراد نے وقتاً فوقتاً شائع کیے لیکن مظفر حسین برنؔی نے علاّمہ کے تمام دستیاب مستند خطوط کو جن کی تعداد پندرہ سو ستّر (۱۵۷۷) ''کلیاتِ مکاتیب اقبالؔ'' کی چار جلدوں میں بسیط مقدموں، حواشی اور متعلیقات کے ساتھ ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۲ء کے عرصے میں دہلی سے شائع کیے جن میں خطوط کے عکس کے علاوہ دوسری زبانوں میں لکھے گئے خطوط کے تراجم بھی شامل ہیں۔ یہ خطوط علاّمہ نے انتالیس (۳۹) برس کے عرصے میں لکھے۔ اس کلیات میں پہلا دستیاب خط مورخہ ۲۸ر فروری ۱۸۹۹ء کا مولانا حسن مارہروی کے نام ہے اور آخری خط علاّمہ کی وفات سے دو دن قبل ممنون حسن خان کے نام ہے۔ جو ۱۹ر اپریل

۱۹۳۸ء کو لکھا گیا۔ ان خطوط میں شامل بائیس (۲۲) خطوط علاّمہ نے خواجہ غلام السیّدین کو لکھے جو نو (۹) سال کے عرصے میں لکھے گئے اور کلیات کی جلد سوم اور چہارم میں شامل ہیں اور یہی خطوط ہماری تحریر کا مقصد اور اس کے مستند حوالے بھی ہیں۔ انھیں خطوط میں خواجہ غلام السیّدین کی چہیتی صاحبزادی ڈاکٹر سیّدہ سیّدین حمید کے عنایت کردہ غیر مطبوعہ خطوط بھی شامل ہیں جس کا شکریہ برنؔی صاحب نے جلد اوّل کے مقدمے میں ادا کیا ہے۔ علاّمہ اقبالؔ کے وہ تمام خطوط جو انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کر کے شامل کیے گئے ہیں اور ان کے متن کی صحت کی تصدیق بھی اشاعت سے قبل انجام ہوئی ہے۔ علاّمہ کا پہلا خط جو خواجہ صاحب کے نام ہے، وہ ۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو لکھا گیا اور آخری خط ۲۵/ ستمبر ۱۹۳۷ء کی تاریخ میں ملتا ہے۔ معتبر خطوط متن کے بہت ہی مستند حوالے تصور کیے جاتے ہیں، چونکہ وہ نہ صرف خطوط نگار کے دستِ خط ہوتے ہیں بلکہ اس پر خطوط نگار کے دستخط اور بعض اوقات ان کے نشانِ مہر بھی درج رہتے ہیں۔ راقم نے علاّمہ اقبالؔ کے (۲۵۱) خطوط سے استفادہ کر کے ہی علاّمہ کی بیماریوں پر ایک مستند کتاب ''چوں مرگ آید'' لکھی جو مقبول ہے۔ ہمارے اس مختصر مضمون میں کئی نکات اقبالیات کے پرستاروں، اسکالرس اور طالب علموں کے لیے جالبِ فکر و نظر ہوں گے۔

حالؔی کی سو سالہ سالگرہ کے جشن کی رپورٹ جو ماہنامہ ''زمانہ'' میں شائع ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاّمہ اقبالؔ سے خواجہ غلام السیّدین کی ملاقات ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو پانی پت کے میدان میں منعقدہ جشن میں ہوئی۔ خواجہ غلام السیّدین نے اس جلسے کی نظامت کے علاوہ حالؔی بحیثیت مصلحِ قوم تقریر بھی کی۔ علاّمہ اقبالؔ کے فارسی استقبالیہ اشعار کو حالؔی اسکول کے ٹیچر نے پیش کیا تھا، جس کا ایک شعر یہ

ہے ؎

طوافِ مرقدِ حالؔی سزد اربابِ معنی را
نوائے او بجانہا فگند شوری کہ می دانم

''یعنی حالؔی کی قبر کا طواف اہلِ فہم کو جچتا ہے کیوں کہ ان کے کلام کی آواز لوگوں کی زندگی میں انقلاب بپا کردیتا ہے جس سے میں واقف ہوں۔''

جن لوگوں نے علاّمہ کے تمام مطبوعہ خطوط کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی واقف ہیں کہ علاّمہ اپنے خطوط میں بہت کم لوگوں سے علمی، تعلیمی اور فلاسفی کی بات چیت کرتے تھے۔ وہ مکتوب الیہ کی علمیت، ذہنیت، فطانت اور ویژن دیکھ کر مطالب بیان کرتے تھے۔ ہم علاّمہ کی غزل کا شعر یہاں زیبِ داستان کے طور پر پیش کرتے ہیں ؎

یہ خرابات ہے اس بزم میں ہے دعوتِ عام
مئے پلاتے ہیں یہاں سب کو باندازۂ جام

علاّمہ سے خواجہ غلام السیّدین عمر میں تیس برس چھوٹے تھے۔ اس کے باوجود علاّمہ خواجہ صاحب کے مبلغِ علم اور خاندانی معرفت سے بہت متاثر تھے کہ خواجہ غلام السیّدین حالؔی کے نواسے اور سرراس مسعود کے معتبر ہمکار اور علی گڑھ تحریک کے نگہبان بھی تھے۔ اس لیے ۲؍دسمبر ۱۹۳۴ء کے خط میں لکھتے ہیں: ''مجھے یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے۔ جس کی وجوہات آپ بخوبی جانتے ہیں۔'' کبھی علاّمہ کہتے ہیں کہ آپ کے گھر میں ٹھہر کر مجھے خوشی حاصل ہوگی۔ کئی بار خواجہ صاحب کی بیگم کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور بچوں کی خیریت بھی خلوص کے ساتھ

معلوم کرتے ہیں۔

خواجہ غلام السیّدین نے ایک "Iqbal`s Educational Philosophy" لکھی جو اگرچہ اقبالؔ کی وفات کے بعد شائع ہوئی لیکن اقبالؔ کی زندگی میں ہی اس کا خلاصہ روانہ کیا تھا۔ علاّمہ ۲۱/ جون ۱۹۳۶ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''آپ کا نوازش نامہ ابھی ابھی موصول ہوا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ نے جو خلاصہ تیار کیا ہے نہایت ہی عمدہ ہے اور مجھے اس پر کسی اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ''ضربِ کلیم'' امید ہے جون کے آخر تک شائع ہو جائے گی اور میں آپ کو ایک نسخہ پیشگی بھیجوں گا۔ اس مجموعۂ میں ایک حصہ تعلیم و تربیت کے لیے وقف ہے۔ ممکن ہے آپ کو اس میں کوئی نئی بات نظر نہ آئے تاہم اگر کتاب آپ کو بروقت مل جائے تو محولہ بالا حصہ ضرور مطالعہ فرمائیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ Leibnitz`s Monadism کے تعلیمی نتائج سے واقف ہیں اس کے قیاس کے مطابق انسانی ''مونیڈ'' ایک بند دریچہ کی مانند ہے اور خارج سے کوئی اثر قبول کرنے سے عاری ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ انسانی مونیڈ زیادہ تر تاثر پذیر نوعیت کا حامل ہے۔ زمانہ ایک بڑی ہی برکت و نعمت ہے۔ (**ولا تبـــؤ الدھر ان الدھر ھو اللّٰہ**)

زمانہ اگر ایک طرف موت اور تباہی لاتا ہے تو دوسری طرف ہی آبادی و شادابی کا منبع ہے۔ یہی اشیاء کے پوشیدہ امکانات کو بروئے

کار لاتا ہے۔ حالاتِ حاضرہ میں تغیر کا امکان ہی انسان کی سب
سے بڑی دولت اور ساکھ ہے۔''

اگر چہ ہمارے پاس خواجہ صاحب کے خطوط جو انھوں نے علاّمہ اقبالؔ کو لکھے تھے موجود نہیں لیکن پھر بھی علاّمہ کے خطوں کے متن سے اشارے ملتے ہیں جیسا کہ ۱۳؍جنوری ۱۹۳۶ء کے خط سے ظاہر ہے۔ ''آپ دیکھیں گے کہ اگر بقائے دوام ایک حقیقت ہے تو پھر کسی تعلیمی نظام کو اس کے متعلق زحمت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں لیکن اگر اس کے حصول کا دارومدار خودی کی صلاحیت پر ہے تو پھر کوئی تعلیمی نظام جس کا مقصد عقل محض کی تربیت اور نشو ونما تک محدود نہ ہو اس کو نظر انداز کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔''

علاّمہ اقبالؔ کے فلسفۂ تعلیم پر توسیعی خطبات کی بابت اقبالؔ خواجہ صاحب کو لکھتے ہیں: ''پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر میرے دوست ہیں۔ گو گزشتہ تین سال سے بوجہ علالت ان سے نہیں مل سکا۔ آپ ان سے اس بارے میں خط و کتابت کریں۔ اس کے علاوہ مسٹر عبدالحئ وزیرِ تعلیم کو لکھ سکتے ہیں اگر ایسا نہ ہوسکا تو اور بھی انتظام ہوسکتا ہے۔''

ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ علاّمہ کو خواجہ صاحب کی علمی استطاعت پر کتنا بھروسہ تھا۔ خواجہ صاحب نے اقبالؔ سے علم کی بابت استفسار کیا ہوگا۔ چنانچہ اسی لیے علاّمہ کے خط کا حوالہ وہ اپنی کتاب میں اس طرح سے دیتے ہیں:

''علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہے۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انھیں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔

اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطانیت ہے۔ یہ علم حق کی ابتدا ہے جیسا کہ میں نے ''جاوید نامہ'' میں لکھا ہے۔

علمِ حق اوّل حواس آخرِ حضور
آخر اُو می نگنجد در شعود

وہ علم جو شعور میں نہیں سما سکتا اور جو علم حق کی آخری منزل ہے اس کا دوسرا نام عشق ہے۔ علم و عشق کے تعلق میں جاوید نامے میں کئی اشعار ملتے ہیں:

علم بے عشق است از طاغوتیاں
علم باعشق است از لاہوتیاں

مسلمان کے لیے لازم ہے کہ علم کو (یعنی اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے) مسلمان کرے ''بولہب را حیدرِ کرّار کن'' اگر یہ بولہب حیدرؓ کرّار بن جائے یا یوں کہیے کہ اگر اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوعِ انسان کے لیے سراسر رحمت ہے۔''

علاّمہ کے ان خطوں سے جو خواجہ صاحب کو لکھے گئے کئی اہم نکات پر روشنی پڑتی ہے جیسے اس خط میں جو ۱۷/اکتوبر ۱۹۳۶ء کو لکھا گیا سوشلزم اور اسلام پر یہ گفتگو درج ہے۔ ''سوشلزم کے معترف ہر جگہ روحانیات کے مذہب کے مخالف ہیں اور اس کو افیون تصور کرتے ہیں۔ لفظ افیون اس ضمن میں سب سے پہلے کارل مارکس نے استعمال کیا تھا۔ میں مسلمان ہوں اور انشاء اللہ مسلمان مروں گا۔ میرے نزدیک تاریخ انسانی کی مادّی تعبیر سراسر غلط ہے۔ روحانیت کا میں قائل ہوں مگر روحانیت

کے قرآنی مفہوم کا، جس کی تشریح میں نے ان تحریروں میں جابجا کی ہے اور سب سے بڑھ کر اس فارسی مثنوی میں جو عنقریب آپ کو ملے گی جو روحانیت میرے نزدیک مغضب ہے یعنی افیونی خواص رکھتی ہے اس کی تردید میں نے جابجا کی ہے۔ باقی رہا سوشلزم، سو اسلام خود ایک قسم کا سوشلزم ہے، جس سے مسلمان سوسائٹی نے آج تک بہت کم فائدہ اٹھایا ہے۔

کہیں کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایک کتاب بعنوان ''ایک فراموش شدہ پیغمبر کا صحیفہ'' لکھوں۔ ''عصرِ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ'' اس کتاب کا صرف تشریحی عنوان ہوگا۔ صرف چند روز قبل بہت سے خیالات میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوند گئے اور میں نے اپنی خواہش اور اُردو شاعری میں اپنی شہرت کے برعکس ان کو قلم بند کرلیا۔ بعد کے دو روز میں کتاب کا بیشتر حصہ لکھا جاچکا تھا۔ اب میں اس کو اُردو نظم میں مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ ''فراموش شدہ پیغمبر کا صحیفہ'' اب انگریزی میں ایک علاحدہ کتاب ہوگی جسے میں بعد میں لکھنے کی توقع رکھتا ہوں۔ قریب قریب یہ ''اعلانِ جنگ'' کے موضوعات پر ہی ہوگی۔ موضوعات زندگی، ادب، سیاست، مذہب، تعلیم اور خواتین وغیرہ ہوں گے۔

حالؔی کا خاندان اور خصوصی طور پر خواجہ غلام السیّدین علی گڑھ یونیورسٹی اور اس کی تحریک سے جڑے ہوئے تھے چنانچہ کبھی سر راس مسعود کی تقریر کی تعریف کہ ان کی رجائیت حیرت انگیز ہے بتاتے ہیں اور کبھی علی گڑھ یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی اعزازی ڈگری دیے جانے کا شکریہ لکھتے ہیں تو کبھی برصغیر کے مسلمانوں کے لیے تحریک کی ضرورت پر ۲۵/اکتوبر ۱۹۲۹ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''علی گڑھ تحریک اسلام جدید کی ترقی میں بڑا رول ادا کرسکتی ہے

بشرطیکہ یونیورسٹی کے اربابِ حل وعقدان تمام واقعات کا وسیع النظری سے مطالعہ کریں جوآج کی دنیائے اسلام میں رونما ہورہے ہیں اور ذہانت کے ساتھ ان کوان حالات میں مقامی رنگ دیں جن میں علی گڑھ کالج کا بانی تھا جو بنیادی طور پر سلفی مسلمان تھا مگر جس کی تحفظ پسندی کبھی اس کی روح کی آزادہ روی میں مانع نہیں ہوئی۔''

علاّمہ کے ان خطوں سے ایک بیہودہ اعتراض جوعلاّمہ پر کیا جاتا ہے وہ بھی رد کیا جاسکتا ہے کہ اقبالؔ نے اپنے صغیر بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے صحیح خاتون کا انتخاب نہ کیا اور اس مسئلے پر توجہ بھی نہ کی۔علاّمہ کے چار پانچ مفصل خطوں کو جو ایک عمدہ استانی کی ضرورت اور جو کن کن شرائط کی حاصل ہو، حوالوں کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس دور کے مشہور جریدے ''تہذیب نسواں'' کے اشتہار کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ ہم اس ضمن میں صرف خطوں کے کچھ کچھ اقتباسات پیش کریں گے۔

۸/اکتوبر ۳۵ء

ڈیر سیّدین صاحب! السلام علیکم

دو بچوں کے لیے استانی کی ضرورت ہے جس پر میں ان کی اخلاقی اور دینی تربیت کے لیے اعتبار کرسکوں۔ ''تہذیب نسواں'' میں اشتہار دیا تھا۔ جس کے جواب میں ایک خط علی گڑھ سے پھر آیا ہے۔ مہربانی کرکے اس خاتون کے متعلق حالات معلوم کرکے آگاہ کریے۔ چونکہ بچوں کی والدہ کا گزشتہ مئی میں دفعتاً انتقال ہوگیا۔ اس واسطے گھر کا تمام انتظام بھی استانی صاحبہ کے سپرد ہوگا۔ ان کے

فرائض مندرجہ ذیل ہوں گے۔

(۱) بچوں کی اخلاقی اور دینی تربیت اور نگہداشت۔لڑکا گیارہ (۱۱) سال کا ہے، اسکول جاتا ہے۔لڑکی پانچ (۵) سال کی ہے۔

(۲) گھر کا انتظام اور نگہداشت۔اس سے میری مراد یہ ہے کہ سب گھر کا چارج انھیں کو دیا جائے گا اور زنان خانے کے تمام اخراجات انھیں کے ہاتھ سے ہوں گے۔

مندرجہ ذیل باتیں ضروری ہیں۔

(۱) بیوہ اور بے اولاد ہو، (۲) عمر میں کسی قدر مسن ہو تو بہتر ہے، (۳) کسی شریف گھر کی ہو جو گردش زمانہ سے اس قسم کا کام کرنے پر مجبور ہوگئی ہو، (۴) دینی اور اخلاقی تعلیم دے سکتی ہو۔یعنی قرآن اور اُردو پڑھا سکتی ہو۔عربی اور فارسی بھی جانے تو اور بھی بہتر ہے۔ (۵) سینا پرونا وغیرہ بھی جانتی ہو، (۶) کھانا پکانا جانتی ہو۔اس سے میری مراد یہ نہیں کہ اس سے باورچی کا کام لیا جائے گا۔

غرض کہ آپ خود ماہرِ تعلیم ہیں اور میرے موجودہ حالات سے بھی باخبر۔مندرجہ بالا امور کو ملحوظ رکھ کر حالات دریافت کیجیے۔امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔

ایک اور خط میں کہتے ہیں:

لاہور ۳۰/اکتوبر ۳۵ھ

ڈیر سیّدین صاحب۔امید کہ آپ مع الخیر علی گڑھ پہنچ گئے ہوں گے۔

ملفوف خط علی گڑھ سے آیا ہے۔ مہربانی کر کے اپنی بیگم صاحبہ کو زحمت دیجیے کہ وہ ممتاز فاخرہ سے مل کر ان کی شخصیت کا اندازہ کریں اور اگر ممتاز فاخرہ صاحبہ پردہ کی پابند نہ ہوں تو آپ خود بھی ان سے گفتگو کر کے ان کی قابلیت کا اندازہ کریں۔ مسز شیخ عبداللہ صاحب سے بھی ان کی سیرت وغیرہ کے متعلق حالات دریافت کریں۔ نیز یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ پنجاب کے کس شہر کی وہ رہنے والی ہیں اور ان کے والد اور بھائیوں کے (اگر کوئی ہوں) کیا نام ہیں تا کہ اگر آپ کا فیصلہ ان کے حق میں ہو تو میں مزید تحقیق کر سکوں۔

تعلیمی اعتبار سے اور نیز اس خیال سے کہ علی گڑھ میں ان کا قیام رہا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ بچوں کی نگہداشت کے لیے موزوں ہوں گی مگر ایک دقت یہ ہے کہ ان کی عمر چھوٹی ہے۔ اس عمر کی عورت تعلیم تو دے سکتی ہے مگر تربیت مشکل ہے، اس کے علاوہ برس چھ ماہ کے بعد ان کی شادی ہوگئی تو پھر نئی استانی تلاش کرنی پڑے گی، بہرحال آپ فی الحال حالات دریافت کریں اور نیز ان کی شخصیت کے متعلق رائے قائم کر کے مجھے تحریر فرمائیں۔ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کس قدر تنخواہ قبول کریں گی۔ تفصیلی حالات ان سے معلوم ہوں کہ میں نے ۲۴/ اکتوبر کے ''تہذیب نسواں'' میں ایک زیادہ مفصل اشتہار دے دیا تھا تا کہ بے سود خط کتابت کرنی نہ پڑے۔ یہ خط ممتاز فاخرہ نے وہ اشتہار دیکھنے کے بعد لکھا ہے۔

۱۶/نومبر ۱۹۳۵ء

''میں نے کل آپ کی خدمت میں لکھا کہ استانی کی تلاش میں مزید زحمت گوارانہ کریں۔ استانی تو مل گئی تھی مگر وہ کل شام بیمار ہوگئیں اور ڈاکٹر کو بلوا کر دکھایا تو معلوم ہوا کہ ان کی علالت شاید طول پکڑ جائے اس واسطے وہ آج شام اپنے گھر جارہی ہیں۔ لہٰذا آپ مرے پہلے پوسٹ کارڈ کو منسوخ تصور کریں اور تلاش جاری رکھیں اگر کوئی استانی مل جائے تو مجھے مطلع فرمائیں۔ زیادہ کیا عرض کروں اس معاملے نے مجھے بہت پریشان کررکھا ہے۔

ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر

۱۱رجنوری ۱۹۳۶ء کو لکھتے ہیں:

آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے اور آپ کی بیگم صاحبہ نے خورجہ جا کر مجھ پر بڑا کرم کیا۔ مجھے ایسی خاتون کی تلاش ہے جس پر مکمل اعتماد کرسکوں۔ لہٰذا اس معاملہ میں زیادہ عجلت سے کام نہ لیں۔ یہاں لیڈی انسپکٹر آف اسکولز (مس خدیجہ بیگم) نے ایک دو خواتین کے نام تجویز کیے ہیں اور میں (ان کے) متعلق ضروری معلومات کررہا ہوں۔ جب بھی ان میں سے کسی کے بارے میں فیصلہ کروں گا تو آپ کو فوراً مطلع کردوں گا۔

براہ کرم میری جانب سے اپنی بیگم صاحبہ کا شکریہ ادا کیجیے گا۔ بچوں کو پیار۔

اس بابت ۱۸راکتوبر ۱۹۳۶ء کے خط میں خواجہ صاحب کو لکھتے ہیں: ''آپ یہ سن کر ہنسیں گے کہ ایک نوجوان لڑکی جو خاصی تعلیم یافتہ ہے اور دینی تعلیم بھی رکھتی ہے

اتالیقی قبول کرتی ہے مگر شرط یہ کرتی ہے کہ نکاح کرلو! شاید کچھ عرصے کے لیے علی گڑھ بھی رہ چکی ہے۔ بہت سمجھایا نہیں مانتی۔''

علاّمہ کے خطوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر مسئلے میں جو علی گڑھ یا سر راس مسعود سے مربوط ہو خواجہ صاحب سے استفسار کرتے، کبھی کہتے: ''سیّد راس مسعود کی ناگہانی انتقال نے سخت پریشان کر رکھا ہے۔'' کبھی لکھتے ہیں: ''میں نے مسعود مرحوم کے کتبۂ مزار کے لیے ایک رباعی رباعیات میں سے انتخاب کر کے مرحوم کے سکریٹری ممنون حسن خاں کو بھوپال بھیجی تھی۔ یہ رباعی حقیقت میں، میں نے اپنے کتبۂ مزار کے لیے لکھی تھی..... چند اشعار مرحوم کی وفات پر بھی لکھے تھے جو رسالہ ''اُردو'' کے مسعود نمبر میں شائع ہوں گے..... میری طرف سے مسعود مرحوم کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں بہت بہت آداب عرض کیجیے۔ ذرا موسم اچھا ہو جائے تو میں بھی تعزیت کے لیے اور مرحوم کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے علی گڑھ حاضر ہونے کا قصد رکھتا ہوں۔''

علاّمہ اپنے خطوں میں نہ صرف اپنی صحت اور تخلیقات کے بارے میں بات چیت کرتے تھے بلکہ اپنی تصنیفات سے خواجہ صاحب کو مطلع کرتے رہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ علاّمہ کے یہ خطوط جو خواجہ غلام السیّدین کو لکھے گئے ہیں، اقبالؔ شناسی اور غلام السیّدین فہمی کے لیے معتبر دستاویز ہیں۔ خواجہ صاحب کی تصنیف جو علاّمہ کے فلسفۂ تعلیم پر ہے تعلیمی ویژن کے نصاب میں شامل ہونا چاہیے کیوں کہ یہ اُس نابغۂ روزگار کا نظریہ فکر ہے جس نے کہا تھا کسی نے بھی میری طرح راز بیان نہیں کیے اور معنی آفرینی و سحر بیانی کی مالا نہیں بنائی۔